

علامہ سمعانی سے ایک ملاقات

حضرت مولانا عبد القیوم حقانی

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے آسمان پر ستاروں کی مجلسِ شینہ آراستہ ہے، صبح صادق کے طلوع ہونے میں ابھی کافی دیر ہے۔ کائنات پر سکوت اور تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ علامہ جامیؒ کی مجلس پر سعادت ”نغمات الانس“ سے جی بہلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک تخیل کے وسیع گوشوں، اطمینان کی خاطر طلب گاریوں، تصورات کے انتشار، کچھ بے چینی اور اضطراب کی تاریکیوں میں ایک درخشاں چہرہ، ایک نورانی اور شیریں تبسم اور ایک نگاہِ دلاویز نے تاریکیاں دور اور..... اضطرابات کا فور کر دیے۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہوتا ہے یہ جب چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ خلوت و تنہائی، دل کے اضطراب اور رات کی وحشت و تاریکی میں یہ دل نواز اور شیریں آواز..... جو سرا سر شفقت اور ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز تھی، ایسی آواز جس سے ہمت افزائیاں اور سرفرازیاں حاصل ہوئیں، جس نے مایوسیوں میں ڈھارس بندھوائی یہ آواز مایہ ناز کتاب ”الانساب“ کے مصنف علامہ ابو سعید عبدالکریم بن محمد السمعی (المتوفی ۵۶۲ھ) کی تھی جو قصر معرفت کے روزن اور گلشنِ علم کے درپچے ”الانساب“ سے کھول رہے تھے۔ ان کا اندازِ مخاطب ایسا مشفقانہ تھا کہ دنیا کی ساری راحتیں اور سکون گویا ان ہی کی نظرِ عنایت میں سما کر رہ گیا تھا، حقیقتِ واقعہ بھی یہی ہے کہ جب علم و قلم اور نگاہ و نواز کی زبان کھل جاتی ہے تو منہ کی زبان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

آج ان کی محفل اور مجلسِ علم و فضل میں حقیقت اپنی پوری شانِ تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو کر سامنے آگئی تھی۔ اس سے قبل بھی علامہ عبدالکریم سمعی سے تین ملاقاتیں ہو چکی ہیں اور ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں کوئی عار نہیں کہ بغیر کسی غرض اور انتفاع کے علامہ سمعی کا ہم طلبہ کے ساتھ شفقت، عنایت اور حسنِ سلوک، دل پر تیر محبت

کا زخم بن کر رہ گیا ہے، جو روح و دل کے لیے ایک دکھتا ہوا انگارہ ثابت ہو رہا ہے جس قدر بھی ان کی مجلس فیض و افادہ میں حاضری ہوتی رہی ہے، روح کا زخم گہرا ہوتا رہا اور دل کی تپش بڑھتی رہی۔

احقر اس سے قبل بھی علامہ سمعائی کی نیک شہرت، علم پروری، عظیم علمی و تصنیفی کارناموں اور کسی حد تک مجلس افادات سے بے خبر نہ تھا۔ لیکن صورت آشنانہ تھا کہ مجلس میں حاضری کا موقع ہی نہ ملا تھا۔

اب کی بار جب ان کی مجلس رشد و ہدایت (الانساب) میں حاضری کا موقع مل رہا ہے..... تو اگرچہ دل جو معاشرے کی بے مہری، اپنوں کی سنگ دلی، زندگی کے تلخ تجربوں اور در ماندگیوں سے پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا مگر ”الانساب“ کے مصنف و میر مجلس علامہ سمعائی کی محبت کی دل نوازیوں سے پکھلنے لگا ہے۔ گویا روح کو ان کی نگاہ محبت نے خرید لیا۔

صد ملکِ دل، بہ نیم نگاہ سے تو اں خرید

خوباں دریں معاملہ، تقصیر می کنند!

اب کی بار جب ان کی مجلس میں حاضری ہوئی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ موصوف نے اپنی محفل کو ایسے لوگوں سے سجا رکھا تھا جو کاروبار اور پیشہ کے لحاظ سے نسلاً بعد نسل دست کار، صنعت کار، ریشم ساز اور ریشم فروش چلے آ رہے تھے، مگر دنیا ان کے جذباتِ شاعتِ علم و خدمتِ دین، زہد و تقویٰ اور علم و فضل کا لوہا مانتی چلی آ رہی تھی۔ دست کاری، صنعت گری، ریشم سازی، اور ریشم فروشی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ سینکڑوں افراد اس کاروبار میں مشغول رہتے تھے، مگر ان کے خاندان میں پیشہ اور کاروبار کی طرح تحصیل و اشاعتِ علم کا مشغلہ بھی نسلاً بعد نسل چلا آ رہا تھا۔ صنعت و حرفت کی وراثت کی طرح علم و فضل کی وراثت پر بھی انہیں فخر و ناز ہوا کرتا تھا۔

تمام عمر تیرے دردِ محبت نے مجھے!

کسی سے دل نہ لگانے دیا گلستاں میں

ان کے علوم و معارف اور دینی و علمی کمالات کا آئینہ ان کے سیرت و کردار کے نادر نمونے ہیں جو معاشرے میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں، جن کی ایک جھلک علامہ سمعائی سے ”الانساب“ کے صفحہ ۲۳۸ پر ثبت فرمائی ہے۔

موصوف لکھتے ہیں کہ مروشر میں ایک علمی خاندان ”دیوش“ کے لقب سے معروف اور مشہور تھا، وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں ریشم سازی اور ریشم فروشی کا کاروبار ہوتا تھا، بلکہ ان کا خاندان پورے علاقے میں اس کاروبار کا مرکز تھا۔ خاندان کے افراد ریشم کے کیڑے ایک خاص ترکیب کے ساتھ پالتے اور پھر ان کو دھوپ میں سکھا کر ان سے ریشم نکالا کرتے تھے، چوں کہ فارسی میں ان کیڑوں کو ”دو“ کہتے ہیں اس لیے اسی مناسبت سے اس پورے خاندان کا

نام ”دیکش“ پڑ گیا۔ علامہ سمعانی نے ”الانساب“ میں اس باب کا عنوان بھی لفظ ”دیکش“ سے قائم کیا ہے۔
دیکشوں کے اسی خاندان کے افراد نے جس طرح ریشم سازی کی صنعت میں ترقی و کمال حاصل کر کے اپنا خاندانی امتیاز باقی رکھا اسی طرح انہوں نے ایمان و یقین، علم و تحقیق، ذاتی تجربات، ذوق صحیح، کتاب و سنت کا صحیح و عمیق علم اور علم و فکر کی بلندیوں تک رسائی حاصل کی، تزکیہ نفس، رح کی لطافت و ذکاوت کی صنعت میں ان کی قوت فکریہ کے طائر بلند پرواز نے رضائے الہی کی بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا اور رحمت الہی کی کھلی فضاؤں میں پرواز کی۔

ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن دیکش اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں جنہوں نے مختلف علوم و فنون بالخصوص علم فقہ میں اپنی خداداد صلاحیتوں اور توفیق ایزدی کی رفاقت سے گراں قدر علمی تنقیحات، نادر تحقیقات اور پیچیدہ فقہی مشکلات کی عقدہ کشائی کی، جو ان کے علم کی پختگی اور گہرائی کا زندہ و جاوید ثبوت ہے۔ ان کے استقلال و اخلاص، توکل، اعتماد، زہد و قربانی، درِ دل اور سوز دروں نے ان کی سیرت و کردار کو جلا بخشی اور ان ہی کی مخلصانہ مساعی اور پاک بازی کی وجہ سے خاندان دیکش کو زندگی اور تاریخی عظمتیں حاصل ہوئیں۔

خدا کی شان کہ جو صنعتیں، کاروبار اور پیشے ہزاروں برس، صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید و رسالت کے پیغام سے نا آشنا تھے۔ ابو محمد عبداللہ جیسے پاک باز، نیک سیرت اور خدا پرست حضرات کی محنت، ریاضت اور شبانہ روز مشقت سے وہ خاندان، علماء اور اولیاء کے خاندان اور علوم اسلامیہ اور کمالاتِ دینیہ کے محافظ و امین بن گئے۔

موصوف نے احمد بن شریحی کے لڑکوں ابو احمد عبدالرحمن اور ابو محمد عبداللہ سے علم حدیث کی تحصیل و تکمیل کی، ہر دو حضرات کا اپنے زمانے میں اکابرِ اساتذہ حدیث میں شمار ہوتا تھا۔ دونوں حضرات کو علم حدیث میں پختگی، گہرائی اور علاقہ بھر میں مرکزیت حاصل تھی۔

تحصیل علم کے بعد موصوف کو اللہ تعالیٰ نے خدمت و اشاعتِ علم، درس و تدریس کے مواقع عطا فرمائے۔ انہیں بھی اپنے قابل، فائق اور فاضل اساتذہ کی طرح قبولِ عام اور بقائے دوام حاصل ہوا، طالبانِ علوم نبوت کے ہرجع بنے اور شہرت و قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔ آپ کا حلقہٴ درس اور حلقہٴ ارادت روز بروز وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

آپ کے تلامذہ حدیث میں ہمارے ”الانساب“ کے مصنف علامہ سمعانی کے والد کا نام بھی گنایا جاتا ہے اور انہیں اس نسبت پر ہمیشہ فخر و امتیاز بھی حاصل رہا، جیسا کہ علامہ سمعانی کی تحریر سے یہی معلوم ہوتا ہے ان کے علاوہ ابو طاهر محمد بن محمد بن عبداللہ مخمر، اور ابو بکر عتیق بن علی غازی کو بھی علم حدیث میں آپ سے تلمذ کا شرف حاصل رہا

۱۲۹۰ھ کے حدود میں عازمِ اقلیم عدم ہوئے۔

محمد بن عبداللہ دیوکش، آپ ہی کے صاحبِ زادے ہیں۔ بڑے ذہین، ذکی اور نکتہ رس تھے۔ انہیں بھی اپنے عظیم والد کی طرح دستِ کاری اور ریشم سازی میں تجربہ و مہارت کے ساتھ ساتھ خدمتِ دین، اشاعتِ علم اور درس و تدریس کے بھی خوب مواقع ملتے رہے، خدا تعالیٰ نے ان کو غضب کی قوت استدلال سے نوازا تھا۔ بیان کی دلآویزی، زبان کی شکستگی اور دلائل کی قوت سے بحث کے اطراف و جوانب بڑی خوبی کے ساتھ ایک نقطہٴ جامعیت پر سمیٹ دیتے تھے، جس کی وجہ سے انہیں دینی اور علمی حلقوں اور طلبہٴ حدیث میں شہرت اور قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔

ہمارے ”الانساب“ کے مصنف علامہ سمعانی کو بھی ان سے زیارت و ملاقات اور استفادے کی سعادت حاصل ہوئی تھی جس کا انہوں نے بڑے فخر و امتیاز اور اہتمام کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ خاندانِ دیوکش جو ریشم سازی کا مرکز اور علاقہٴ بھر کے لیے مرجع بنا ہوا تھا، دیوکشوں کے اس خاندان میں اللہ تعالیٰ نے ایسے رجال کار اور رجلِ رشید کھڑے کر دیے تھے جنہوں نے دستکاری اور ریشم سازی کے ساتھ ساتھ آدم سازی اور آدم گری کی صنعت میں بھی اپنے خاندان کو ناموری اور نیک نامی کے معراج تک پہنچایا، بطور مثال ہم نے ”الانساب“ سے ابو محمد عبداللہ بن محمد دیوکش اور ان کے ہونہار صاحبِ زادے محمد بن عبداللہ دیوکش کا اجمالی تذکرہ نقل کر دیا ہے۔

سوچھ بوجھ اور قدرے عقل سے کام لینے والوں کے لیے صرف ان حضرات ہی کے اس مختصر تذکرہ میں کتنی نصیحتیں، کتنی عبرتیں اور کتنے انقلاب انگیز اسباق موجود ہیں کہ تحصیلِ علم اور پھر اشاعتِ علم کے دوران اگر اپنے ہاتھ کی کمائی سے رزقِ حلال کے ثباتِ لایموت پر زندگی اور مستقبل کی جسمانی ساخت کا سانچہ تیار کیا جاتا رہا تو قدرتِ انہیں مستقبل کی عملی زندگی میں علمی و روحانی سانچے بھی ویسے میسر کر دے گی جس کی طلب گاریوں میں انہوں نے اپنی قیمتی صلاحیتیں کھپا دیں۔

آج نہیں کہ اس دور کا ”آج“ گزشتہ زمانے کے کل سے بہت زیادہ بدل چکا ہے کہ جب علم دین کی بہشتی ڈگریوں کی نہ حکومت خریدار تھی اور نہ پبلک میں ان معاشی اجازت ناموں کی کوئی طلب گاری تھی جو بھی اس راہ میں قدم رکھتا سرِ راہ و سوسہ ڈالنے والا ”خناس“ خسرو الدنیا والآخرة کا بورڈ آؤیزال کر دیتا۔

کیا عجب زمانہ تھا اور کیسا عجب تماشہ تھا کہ صرف دیوکشوں کے خاندان کے ان افراد نے نہیں بلکہ ہمارے اسلاف اور مشاہیرِ اربابِ علم و فضل نے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ”کیا اپنے بندہ کے لیے اللہ کافی نہیں!“ کے قرآنی سوال کے جواب میں حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ”ہمارے لیے اللہ بس ہے

بڑا اچھا وکیل۔ (پشت پناہ) کتنا اچھا آقا اور کیسا اچھا یارائی فرما،

کی مضبوط چٹان سے زندگی کے جہاز کو باندھ دیا تھا، مگر تاریخ گواہ ہے ”الانساب“ کے بارہ سو چھ (۱۲۰۶) صفحات پڑھ جائیے۔ اس کے علاوہ کتابیں اٹھا اٹھا کر ایک ایک مورخ سے دریافت کرتے چلے جائیے..... سب کے ہاں ایک جواب اور اجماعی جواب ملے گا۔ کہ اولاً انہیں ذُلُزِلُوا ذُلُزِلُوا لَا شَدِيدًا ”جھنجھوڑ دیے گئے اچھی طرح جھنجھوڑنا“

کے مقام پر رکھا اور پرکھا گیا، وہ جب تک اس مقام رہے فقر و فاقہ اور بعض اوقات بھوک کی شدت سے گر گر کر بھی تسلیم و رضا کی راہ چلتے رہے اور ان کے چہروں پر کفرانِ نعمت اور ناشکری کے بل تک کو بارِ باری حاصل نہ ہوئی۔ چند ہی دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر اپنے فضل و کرم کے دھارے کھول دیے۔ انعامات اور ربانی تجلیات و یَزُوقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کی صورت میں جلوہ گر ہوتے رہے۔

مگر آج کس کس پہلو پر رونارویا جائے، کس کس سوراخ کو بند کیا جائے اور کس کس زخم پر مرہم رکھا جائے؟ علم کے زوال اور امت کے ادبار و تنزل کے لیے کیا یہ کوئی کم واقعہ ہے کہ طلبہ کو رزقِ حلال، پیشہ ورانہ تربیت، دست کاری اور اپنے ہاتھوں سے حلال کی کمائی کی بجائے ابتدائے روز سے انجمن سازی، تنظیم سازی، سیاست گری، صفائی تہذیب اور خدا جانے کن کن ناموں کا پردہ ڈال کر کیسے کیسے لایعنی مشاغل اور تنعمات کا عادی بنایا جا رہا ہے؟! جن چیزوں کو ہمارے اسلاف نے غیر ضروری سمجھا، مگر اب ان ہی چیزوں کو زندگی کی اولین ضرورت قرار دیا جا رہا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے اسلاف اور اربابِ علم و فضل نے تعلیم کے ایامِ تعلیم ہی کے لیے گزارے ہیں۔ تخریب، تحری، سیاست، انجمن سازی، بننے سنورنے، نوعروسی اور دولہا بننے کی مشق نام کا کوئی کارنامہ ان کی طالبِ علمانہ زندگی میں نظر نہیں آتا۔

ان کی زندگی صاف ستھری، دھلی دھلائی۔ اُجلی محنت و مشقت اور اپنے ہاتھوں سے رزقِ حلال کی کمائی والی سرد و گرم چشیدہ زندگی تھی۔ ایسی زندگی اپنے اندر جو پختگی رکھتی ہے۔ سیرت و کردار کی یہ استواری ان لوگوں میں تلاش کرنا بے کار اور فضول ہے جن کی پوری زندگی سرد ماحول میں گزری ہو، پیشہ ور، دست کار اور صنعت کار اربابِ علم و فضل کا یہ تذکرہ مسلمانوں کی ماضی کا صاف آئینہ اور ایسا آئینہ ہے جس میں مستقبل کو دیکھا بھی جاسکتا ہے اور سنوارا بھی جاسکتا ہے۔

☆☆☆